

تعارف و تبصرو

وحدت امت مولانا مفتی محمد شفیع

جنرل پبلشرز - کلکتہ قاسم جان - دہلی ۷۷ صفحات ۶۲ - قیمت ۳ روپے
برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین مولانا مفتی محمد شفیع کا یہ مختصر رسالہ جسے ۱۹۶۷ء میں مکتبہ المنبر لاہور
(پاکستان) شائع ہوا تھا۔ بیش طراشامت اسی کا ہندوستانی ایڈیشن ہے۔ ادارہ المنبر کی طرف سے موصوف
کو اس موضوع پر تقریر کی دعوت دی گئی تھی جسے بعد میں مولانا مرحوم نے (۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ) خود ہی قلم بند
کر دیا تھا۔ صفحہ ۴۸ سے آخر تک اسی طرح کی ایک اور تقریر ہے جس کا عنوان ہے اختلاف امت اور ان کا
حل، وحدت امت، انہی دو تقاریر کا مجموعہ ہے۔ ہندو پاک کے مختلف رسالوں میں اس کتابچے کے اقتباسات
متعدد بار نگاہ سے گزرے جس سے اسے دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ واقعہ ہے کہ اس کے مضامین اس قابل
ہیں کہ ان پر بار بار توجہ دی جائے۔

کتابچے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے کہ امت کو اپنے فقہی اور ملکی چھوٹے چھوٹے اختلافات
کو چھوڑ کر اور گروہی اور جماعتی حصاروں سے اوپر اٹھ کر ان وسیع تر مقاصد کے لیے کام کرنا چاہیے جن کے لیے
آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء کی بعثت ہوتی رہی ہے۔ فقہی اور ملکی اختلافات میں یہ تشدد اور غلو
تخریب اور دھڑے بندیوں کو جنم دیتا ہے، جس سے امت کا شیرازہ منتشر ہوتا اور اس کی وحدت و اجتماعیت
کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے فقہی اور جماعتی مسائل میں کشادہ ظرفی اور وسیع النظری
کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی توجہ اسلام کے وسیع تر مقاصد کو رکھ کر لانے پر مرکوز رہیں۔ فقہی اور جماعتی معاملات کا
یہی بجا تشدد ہے جس نے آج ہر جگہ مسلمان امت کو بے شمار دھڑوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور اس کے نتیجے میں بکت
و ادبار اس کی قسمت بن گیا ہے۔ مسلمان اگر اپنے کو اس گرداب سے نکالنا چاہتے ہیں تو انہیں ان اختلافات کو ختم کر کے
اسلام کے وسیع مقاصد کے لیے کام کرنا ہو گا۔ یہ چیز تھی جس نے صدر اول میں اس امت کو عروج و اقبال سے ہمکنار کیا تھا۔
اصولی گفتگو کے علاوہ مصنف مرحوم نے اس سلسلے میں اپنے جرگوں کے کچھ واقعات بھی نقل کیے ہیں ان میں
سے ایک واقعہ خاص طور پر اپنے اندر عبرت و بصیرت کا بڑا سامان رکھتا ہے۔ مصنف کے استاد اور جماعت دیوبند کے
مرخیل علامہ العصر مولانا نور شاہ کشمیری قادیان کے سالانہ جلسوں میں شریک ہوتے تھے ایک موقع پر مصنف بھی ان
کے ساتھ تھے۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ علامہ موصوف سر پکڑے ہوئے بہت
منہمک بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد علامہ سے مصنف کی گفتگو انہی کے لفظوں میں اس طرح ہے۔

”میں نے پوچھا حضرت کیا مزاج ہے؟ کہا ہاں اٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عرض کیا کہ کردی
میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں، گری ہے ہزاروں
آپ کے شاگرد علامہ ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں آپ کی یہ کائنات
ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگئی؟

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عرضاً لے کر دی!

میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا: ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کرد و کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسکوں پر خفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کیا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر بر یاد کر دی؟ ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ نے جو مقام دیا ہے وہ تمام لوگوں بخود اپنا لوہا نوالے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔ اور امام شافعیؒ، مالکؒ، اور احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو مؤدوداً محض اخطا درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو خطا محتمل الصواب (درست مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی تیج نہیں، ان تمام بحثوں، تحقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا: اے میاں! اس کا تو کس حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا تو جس چیز کو نہ دنیا میں کبھی نکھرنا ہے نہ رزخ میں نہ شرم میں اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عرضاً لے کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، جمع علیہ و سلمی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک مسلم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرامؑ لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہم حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مثلاً نے کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے داعیان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مثلاً نے میں ہیں لگے ہوا چلے یہ تھا وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے شرک و بت پرستی چل رہی ہے۔ حرام حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی و فرعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غلین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عرضاً لے کر دی (صفحہ ۱۸-۲۰) مولانا حمید یوسف نورانی، مصنف معارف السنن جو علامہ کشمیریؒ کے شاگرد خاص اور ان کے علوم کے سب سے بڑے جانشین سمجھے جاتے رہے ہیں۔ آخری عمر میں ان کا بھی یہی تاثر تھا اور یہی کیفیت ان پر بھی طاری رہی تھی۔ (لاحظہ ہو الفرقان ستمبر و اکتوبر کے خاص شمارہ مضمون: پیکر محبوبی از ڈاکٹر غلام محمد)

مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اسی سلسلے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمد امجد الحسنؒ کا یہ بصیرت افروز بیان بھی نقل کیا ہے کہ ماٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد ایک روز دارالعلوم علماء کے بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب بیان فرمائے۔ ایک قرآن مجید کی تعلیمات کو چھوڑ دینا اور دوسرا باہمی اختلافات اور جنگ و جدال حضرت شیخ الہند نے فرمایا اسے کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ ص ۵۱

امت کے اندر اتحاد و اتفاق کے سلسلے میں ان کے اندر اتنا اتحاد و اتفاق تھا کہ ان کی اہمیت اور

قدر و قیمت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ علی طور پر اس مکتب فکر سے وابستگی رکھنے والوں کا رویہ پاک و ہند ہر جگہ اس سلسلے میں، بجائے مثبت کے منفی رہا ہے۔ پاکستان میں دیوبند کا تھنڈا پورا حلقہ، وہاں احیاء اسلام کی علمبردار تحریک کی مخالفت میں پیش رہا۔ مولانا مفتی شفیع اور ان کا حلقہ گونہ نہ نرم رہا لیکن اس تحریک کی مخالفت میں مولانا بنوری کی انتہا پسندی حد درجہ بڑھ چکی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے اندر بھی صورت حال اس پہلو سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ یہاں تحریک اسلامی کے ساتھ علمائے دیوبند اور ان کے ارادت مندوں کا جو طرز عمل رہا وہ اپنی جگہ امت کے عمومی امور و مسائل کے سلسلے میں بھی ان کا رویہ عام طور پر منفی رہا اور تقریباً ہر محاذ پر ملت سے کٹ کر انھوں نے اپنی کھڑائی بنانے کی کوشش کی۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلم مجلس مشاورت کا قیام، امت کے اتحاد و اتفاق کے سلسلے میں ایک بہت ممتاز اور منفرد کوشش تھی۔ لیکن علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت اس سے ہمیشہ کٹی کٹی رہی۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ، ملت اسلامیہ ہند کے ہر فرد کا اپنا مسئلہ تھا، جس کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم اور متحدہ جدوجہد وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ لیکن علمائے ہند کی جماعت اس مقصد کی خاطر شکیلائی گئی۔ دینی تعلیمی کونسل، کا ساتھ نہ دے سکی۔ حد تو یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر مکتب و خیال کے مسلمانوں کے مشترکہ پلیٹ فارم، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ اس کی، دیکھپی اور تھانوں کو بھی برائے نام ہی کہا جاسکتا ہے۔ تحریک اسلامی، جس کے موقف کی صداقت اب عالم اسلام میں تسلیم کی جا چکی ہے، جماعت دیوبند کی اکثریت نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی تاج بھی وہ اسے ضال و مضل، باور کرانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ تحریک اسلامی کی قیادت مختلف مواقع پر اپنے موقف کی وضاحت کرتی رہی۔ لیکن اہل دیوبند اسے مان کر دینے کے لیے تیار نہیں۔ مسلک حنفی پر تشدد اور اس کی جزئیات میں غلو ہند و پاک ہر جگہ اس جماعت کا ایک امتیازی وصف ہو گیا ہے جبکہ امت کے اتحاد و اتفاق کے پہلو سے اس کی ہلاکت آفرینی واضح ہے۔ دینی نقطہ نظر سے تو اس موقف کی غلطی اظہر من الشمس ہے۔ اتحاد امت کے سلسلے میں اکابر دیوبند کے ان نصائح کو ہندو پاک کے مختلف جرائد و رسائل میں بجا طور پر بار بار شائع کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی واقعی افادیت اسی وقت سامنے آ سکتی ہے جبکہ لوگ علی طور پر اپنا رویہ بدلنے کے لیے تیار ہوں۔ اور اتحاد کا صرف و غطا نہ ملنے پر اکتفا نہ کر کے علی دنیا میں اس کے تقاضوں کو رد و عمل لائیں۔ اہل دیوبند آج بھی اپنے ان اکابر کے مشوروں کی روشنی میں، اپنا علی رویہ تبدیل کر سکیں تو پاکستان ہی نہیں ہند میں بھی، ہزار مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود امت کے دن بدل سکتے ہیں۔ جس کے لیے ہم صدق دل سے بارگاہ اہل دیوبند میں دست بدعائیں۔

صفحہ ۲۱ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سرور کونین، لکھا گیا ہے۔ آپ کی ذات گرامی کے لیے ان الفاظ کا استعمال عقیدت و محبت میں افراط کا منظر ہے، قرآن و سنت کی تصرحات اس کے برعکس ہیں، اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے اس کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، اسی طرح صفحہ ۲۵ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے مادی اور طبیبی، کہا گیا ہے جو صحیح نہیں۔ ”مجا وادی، صرف اللہ تعالیٰ ہے۔“ صفحہ ۲۱، ماہواری رسالہ لکھا گیا ہے جو ذوق سلیم کے لیے بہت گراں ہے،

”ماہانہ رسالہ“ جو ناجائز ہے۔ م۔ (سلطان احمد اصلاحی)